Rizwan Ullah
D-178, Abul Fazl Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: 9971283786
Email:ruilmi@rediffmail.com
Web: www.Rizwanullah.com

اردو صحافت احتجاج کی آواز

رضوان اللہ

صحافت ایک زندہ وفعال فن ہے، ایک معزز ومحترم پیشہ ہے، اعلیٰ ترین ادب ہے، تاریخ کی شاہد اور اس کی آئینہ دار ہے، مستقبل کی بصیرت عطا کرتی ہے اور اس کے لیے نقشہ راہ متعین کر کے رہنمائی کرتی ہے۔ آئندہ اندیشوں سے آگاہی عطا کرتی ہے۔ اردو صحافت ان خواص اور خوبیوں کی حامل ہونے کے علاوہ اور بھی صفات سے متصف ہے۔ یہ ہمیشہ ایک مشن کی علمبردار رہی ہے اور ہر دور میں احتجاج کی آواز رہی ہے۔ اس کی مثالیں آئندہ پیش کی جائیں گی۔ اب جب کہ ہماری صحافت کے سر پر دو صدیوں کی گرد جم گئی ہے اس کو ہٹا ہٹا کر صداقتوں کی نقاب کشائی کی کوشش فطری اور برمحل ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اسی سلسلے میں سمیناروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قابلِ ستائش ہے لیکن یہی وقت ایک یادگاری کام کا بھی ہے جس کی اسکیم کونسل نے تقریباً دس بارہ سال پہلے شروع کی تھی لیکن شاید اس وقت اس کام کے لیے حالات سازگار نہیں تھے اب اس کا وقت یقیناً آ گیا ہے۔ وہ کام ہے اردو صحافت کی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا۔

فی الحال اس تحریر میں ہم یہ دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر اردو صحافت کوئی مشن تھا تو کیا تھا اور احتجاج تھا تو کس لیے؟ اس کو سمجھ لینے کے بعد دیکھنا ہوگا کہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ان صفات کو کس طرح زندہ اور جاری رکھا جائے جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔ ہماری صحافت کبھی دوسروں سے ہم آہنگ کبھی اوروں سے الگ اور مختلف رہی۔ اس کا لہجہ کبھی نرم اور کبھی گرم رہا، جس کا انحصار وقتی حالات پر ہوا کرتا تھا۔

یہ اس بحث کا موقع نہیں ہے کہ اردو کا پہلا اخبار کون سا تھا۔ یہ کام مؤرخ کرتے رہیں گے۔ اس تحریر کے مقصد کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ''جام جہاں نما'' اردو کا اولین اخبار تھا جو ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اس ہفت روزہ کے بانی راجہ رام موہن رائے نے سماجی برائیوں اور سرکاری عمال کی بداعمالیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر وہ اخبار جاری کیا تھا۔ انھوں نے سماج کو برائیوں سے پاک کرنے کو اپنا مشن بنایا تھا۔ وہ اس مشن میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔ ہندو بیواؤں کو ستی کی رسم سے نجات دلائی۔ اس احتجاجی مشن سے اردو صحافت کی ابتدا ہوئی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا انگریز حکام کی بداعمالیوں کے خلاف عام غم وغصہ کا اظہار صحافت کا حصہ بنتا گیا اور اس انقلاب

۱۸۵۷ء کے لیے مواد فراہم کیا جسے غدر کا نام دیا گیا۔ وہ غدر دراصل نقطۂ عروج تھا اس لاوے کا جو صحافت کی آنچ سے پک رہا تھا اور بالآخر ابل پڑا۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا اس صحافت کا لہجہ کبھی نرم کبھی گرم ہوتا رہا۔ اس کی بڑی دلچسپ مثال صحافت میں مزاح کی رسائی اور آمیزش تھی۔ انقلاب فرو ہوجانے کے بعد صوبہ سرحد کے انگریز گورنر نے لکھا تھا کہ اگر ہمارے حکام صرف اردو اخباروں پر خصوصاً مسلم اخباروں پر گہری نظر رکھتے تو اس غدر کو پہلے ہی روکا جاسکتا تھا۔ یہ اخبارات کنائے اور اصطلاحات میں بہت ساری باتیں کہہ جاتے تھے، جسے سمجھنے کی ہمارے حکام نے کوشش ہی نہیں کی۔ رفتہ رفتہ طنز و مزاح کی ضرورت ایک روایت اور اردو صحافت کا ایک جزو بن کی اس میں ضم ہوگئی۔ آگے بڑھ کر اودھ پنچ نے ایسے ادب نگاروں کو ایک چھتر چھایا فراہم کرکے انھیں مرتبہ اعتبار بخشا اور اکبرالہ آبادی جیسی شخصیات کو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے میں مدد کی جو پھولوں کی چھڑی سے تلوار کا کام لیتے رہے۔

لیکن اس دور میں مشن کا گرم پہلو بھی ناقابلِ فراموش ہے جس کے سالارِ کارواں ''اودھ اردو اخبار'' کے ایڈیٹر مولوی محمد باقر تھے جنھوں نے دلوں کو گرمانے والی تحریریں جاری رکھیں اور اس راہ میں جانِ عزیز کی عظیم ترین قربانی پیش کرتے ہوئے دہلی کے خونی دروازے پر اپنا سینہ توپ کے گولے کی نذر کردیا۔ ان کے بیٹے نے تماشائیوں کی بھیڑ میں چھپ کر اپنے بوڑھے باپ کی اس شہادت کے منظر کا بھی مشاہدہ کیا۔ انگریز حکمرانوں کے خلاف جہاد میں کسی صحافی کی یہ پہلی قربانی تھی اور وہ اردو صحافت کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

اردو صحافت کا جو احتجاجی مشن تھا اس نے ایک نئی راہ بھی اختیار کی جس کے میرِ کارواں سرسید احمد خاں تھے جنھوں نے اپنی قوم کی فلاح کے لیے تعلیم خصوصاً انگریزی تعلیم کا نسخہ تجویز کیا۔ ان کا یہ رویہ نہ تو مسلمانوں کی شکست خوردگی کی وجہ سے تھا نہ انگریزوں کی ملازمت کی وجہ سے تھا، بلکہ بالکل خلوص نیت پر مبنی ایک فکر تھی جس کے لیے انھوں نے تحریر تقریر اور انجمن سازی کے سارے طریقے اختیار کیے۔ رسالہ تہذیب الاخلاق اور سائنٹی فک سوسائٹی اسی کے مظاہر تھے۔ اس راہ میں علماء سے ان کا اختلاف رائے ٹکراؤ کی حد تک پہنچ گیا۔ انگریزی تعلیم سے اختلاف کی بنا پر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ تک جاری کردیا، لیکن ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد ثابت ہوگیا کہ قوم کے مستقبل کے لیے وہی رہِ دراز درست تھی۔ اس رہِ پُرخار میں شبلی نعمانی جیسے ہم سفر بھی دوری اختیار کرگئے مگر تعلیم کے بنیادی نکتے سے انحراف ممکن نہیں تھا، چنانچہ دارالمصنّفین، اعظم گڑھ کی صورت گری ہوئی۔

ان تمام جہات میں سفر کرتے ہوئے اردو صحافت نے زمینی سیاست کے شانے سے شانہ ملائے رکھا۔ انیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے انڈین نیشنل کانگریس وجود میں آچکی تھی۔ اور بیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی مسلم سیاست کا ایک اور چہرہ مسلم لیگ کی شکل میں نمودار ہوا۔ لیکن مقاصد تقریباً مشترک تھے یعنی غلامی سے نجات اس لیے ان دونوں سیاسی تشکیلوں کا کبھی الگ الگ اور کبھی ایک ساتھ چلنا ممکن تھا اس لیے مسلم صحافت کے لیے اپنے مشن میں سب کو ساتھ لے کر چلنا قدرے آسان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسٹر محمد علی جناح کانگریس کی مسندِ صدارت پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں تو مولانا آزاد خلافت کی تحریک میں کانگریس کو بھی گھسیٹ لینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ترکی میں

خلافت عثمانیہ کے خاتمہ پر ماتم گسار ہندوستانی علماء کے شانے سے شانہ ملانے میں بھی کانگریسیوں کو کوئی خاص تعرض نہ ہوا۔ کیا اس لچک اور تقرب میں مولانا آزاد کے ''الہلال'' کا دخل نہیں رہا ہوگا۔

ہماری صحافت کا یہ کارواں بیشمار لکھنے والوں کو اپنے جلو میں لیے ۱۹۳۵ء کے عشرے میں داخل ہوتا ہے تو تلوار کی دھار تیز ہو جاتی ہے۔

نوارا تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی
ھدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

مولانا حسرت موہانی آگے بڑھ کر اس کارواں کو ''انقلاب زندہ باد'' کا علم تھما دیتے ہیں پھر سروں کی فصل کٹنے لگتی ہے، خونابوں سے دھرتی سیراب ہونے لگتی ہے۔ اگلے عشرے میں وہی سرزمین لخت لخت ہو جاتی ہے۔ اردو صحافت کا منظر نامہ نادیدہ و ناشنیدہ انقلاب کے زیرِ سایہ آجاتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کے مشن اور احتجاج کے بنیادی کردار میں فرق نہیں آتا، ایک ذرا سکتے کے بعد وہ اپنے روایتی حربوں کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ جو چلے گئے ان کی بات نہیں جو آتے گئے اور جو بچ رہے ان کے کام یہی حربے آئے۔

نئے آنے والوں کی صحافتی زبان اردو تھی وہ جالندھر سے دہلی تک سارے منظر پر چھا گئے۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اور اس کے لیے ہر جتن کرنا ان کا سب سے بڑا مشن تھا اپنی مشکلوں پر کم توجہی کے خلاف ان کا احتجاج تھا۔ ان سب کو زبان اور آواز دینے والی اردو صحافت تھی۔ جو بچ رہے تھے ان کو پوچھنے والا، ان کا والی و وارث کوئی تھا ہی نہیں۔ ان کے مرثیہ خوانوں کی آواز بیٹھ گئی تھی جو باقی رہی تھی وہ صرف اردو صحافت کی آواز تھی اور آج تک ہے۔ اردو صحافت کو مسلم اور غیر مسلم صحافت میں تقسیم کرنا ایک ناپسندیدہ حقیقت ہے۔ لیکن اس تحریر میں جس حقیقت پر اصرار کیا جا رہا ہے اس کی روشنی میں دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ ''انقلاب''، بمبئی اور ''آزاد ہند'' کلکتہ جیسے معروف ومقبول مسلم ملکیت والے اخباروں کی ملکیت غیر مسلم ہاتھوں میں چلی جانے کے باوجود ان کے روایتی قارئین کے مفادات کی نگہبانی اور ان کے احساسات کی ترجمانی کے عمل میں فرق نہیں آیا۔ اس پر راشٹریہ سہارا جیسے کئی مراکز سے بیک وقت شائع ہون والے اخبار کی جلوہ آرائی۔ اس کو ہمارے صحافت کے مشن کا تسلسل نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ عملی احتجاج کی صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔ ۱۹۷۵ء میں جب جون کی ایک نصف شب کو ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تو دہلی میں بہادر شاہ ظفر مارگ کے پریس ایریا کی بجلی کی سپلائی منقطع کر دی گئی اور اس طرح اگلی صبح کو اخبار کا قاری اندھیرے میں رہا۔ جالندھر کے پریس ایریا میں بھی یہی کارروائی کی گئی لیکن ''ہند سماچار'' نے جو اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا اخبار تھا ٹریکٹر کے انجن سے پرنٹنگ مشین چلا کر اخبار چھاپ کر تقسیم کر دیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کی جو ترقیاں ہوئیں اس کو اردو صحافت نے لپک کر دونوں ہاتھوں سے پکڑا۔ شاید اس کو سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ آج وہ ساری صحافتوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہے اور ہمارے صحافیوں کا سر فخر سے اونچا ہے۔ صحافت نے ''میڈیا'' کا نام اور بہروپ اختیار کیا تو اردو صحافت کو وہ روپ دھارنے میں بھی ذرا قباحت نہیں ہوئی۔ اب میڈیا سوشل ہو یا اَن سوشل اس سے ہماری صحافت کو سروکار نہیں وہ اپنی کامیابیوں سے سرشار

ہرراہرو کے ساتھ محوِ سفر ہے۔

اس تحریر کا مقصد صرف ان خواص کو بیان کرنا تھا جو بیشتر صحافتوں میں مشترک ہیں اور وہ بھی جو اردو صحافت میں بالخصوص ابتدا سے موجود اور جاری ہیں۔ اس لیے اس میں نہ اخباروں کی فہرست سازی ہے نہ صحافیوں کا تذکرہ اور شمار۔ مولانا امداد صابری نے اپنی تصنیف ''اردو صحافت کی تاریخ'' میں ان دونوں کو بہت اچھی طرح آمیز کیا ہے اور مشہور صحافیوں کی تحریروں کے نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے سامنے حکومت ہند کے قائم کردہ پریس کمیشن کی ۱۹۵۴ء میں شائع شدہ رپورٹ کسی حد تک رہنمائی کے لیے موجود تھی۔ اس رپورٹ کے بعد جلد ہی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے ''صحافت پاکستان و ہند میں'' شائع کر کے برصغیر کی اردو صحافت کے اس حصہ کا تذکرہ مکمل کر دیا جو تقسیم کے وقت کٹ گیا تھا۔ مولانا امداد صابری کی تصنیف نامکمل رہ گئی اور تقسیم کے وقت تک بھی اردو صحافت کا نقشہ گونا گوں مشکلوں کی وجہ سے نہیں پیش کر سکے جو کہ قابلِ فہم ہے۔ لازم تھا کہ کوئی اردو ادارہ آگے بڑھ کر اس کام کو جاری رکھتا۔ اس کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو موزوں ترین ادارہ ہے۔ دس بارہ سال پہلے کونسل نے ایک پہل کرتے ہوئے ایک بورڈ کی تشکیل کی تھی اور اس کے تحت کئی کمیٹیاں بھی بنائی گئی تھیں لیکن اس کے بعد بورڈ یا کمیٹی کی کسی میٹنگ کی بھی خبر نہیں ملی۔ دراصل اس گروپ کو اردو صحافت کا انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا کام تفویض کیا گیا تھا لیکن اس کام کی طوالت اور درکار مالی وسائل نے حوصلے پست کر دیے۔ اب کونسل کے پاس مالی وسائل کی کمی نہیں ہے، ریاستی اردو اکادمیاں بھی کافی فعال ہیں وہ ہر طرح کا عملی اور مالی تعاون کر سکتی ہیں۔ مزید براں صحافت کے روایتی اور جدید ترین پہلوؤں سے متعلق درجنوں تصنیفات آ چکی ہیں جن سے علاقائی کیفیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اب ان تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کونسل کو اقدام کرنا چاہیے۔ میرے خیال سے پہلا قدم تو یہی ہونا چاہیے کہ مولانا امداد صابری کی تصنیف کی ایڈیٹنگ کر کے اسی کو رہنما بنایا جائے اور آئندہ کام مستعد صحافیوں کے سپرد کر دیا جائے۔

امریکہ میں منتخب عہدے

اگرچہ امریکہ میں واحد وفاقی حکومت ہے لیکن اس میں حسبِ ذیل شامل ہیں

۵۰ ریاستی حکومتیں

۳ لاکھ سے زیادہ عہدے مقامی حکومتوں کے (کاؤنٹی، سٹی اور ٹاؤن کی)

اور تقریباً ۲ لاکھ مخصوص مقاصد کے اضلاع جیسے کہ اسکولی اضلاح، پانی کے اضلاع، نتیجے کے طور پر امریکی ووٹروں کو صرف صدر اور کانگریس (پارلیمنٹ) کے لیے نہیں ووٹ دینا ہوتا ہے بلکہ ریاستی اور مقامی حکومت کے ہزاروں عہدیداروں کے لیے بھی ووٹ دینا ہوتا ہے جن میں ریاستی قانون ساز ممبر، ریاستی گورنر اور لیفٹیننٹ گورنر، ریاستی آڈیٹر، کاؤنٹی کمشنر، ٹاؤن اور سٹی میئر، ایلڈر مین، جج، کانسٹبل، مجسٹریٹ، شریف، جسٹس آف پیس اور اسکول بورڈ، کالج بورڈ، یوٹیلٹی بورڈ کے ممبران اور عوامی ٹرسٹ کے عہدیدار شامل ہیں۔

کچھ غیر معمولی قسم کے منتخب عہدے بھی ہیں جیسے کاؤنٹی کورونر، آبپاشی اضلاع اور ٹاؤن سمٹری کمیشنوں کے ممبر اور درختوں کے وارڈن یعنی وہ افسران جو شہری املاک پر مخدوش درختوں کو ہٹانے کی نگرانی کرتے ہیں۔